© rasailojaraid.com

مبادی تدبر قرآن! ایک مطالعہ

(قسط دوم)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی
شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تلاوت آیات

آیت کے مختلف مفاہیم قرآن کریم میں موجود ہیں جس کا ایک مفہوم دلیل اور حجت بھی ہے۔ یہاں پر آیات سے مراد قرآن مجید کا وہ حصہ ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات کے دلائل و براہین پر مشتمل ہے۔ قرآن کی جو آیات ابتداء میں نازل ہوئیں۔ فقہی احکامات سے بالکل خالی ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا۔ ابتداء میں صرف دین اسلام کے اساسی مسائل سے بحث ہے۔ جس سے اسلام کا پورا نظام سامنے آجاتا ہے بعد میں دین اسلام کی تمام جزئیات مدلل طریقہ سے بیان کی گئی ہیں۔

تلاوت آیات کے بعد جب انسانی قلوب سے بدعات وخرافات اور باطل خیالات خارج ہو جاتے ہیں تو تزکیہ کی نوبت آتی ہے یعنی انسان کے دل میں صحیح خیالات وعقائد اپنی جگہ بنانا شروع کر دیتے ہیں تلاوت آیات کے بعد ہی انسان کے اندر جو فطری روشنی موجود ہے اس کے ذریعہ وہ سیاہ وسفید میں تمیز کرنے لگتا ہے اس روشنی کا ذکر قرآن میں اس طرح ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ انسان اپنے نفس پر خود بصیرت رکھتا ہے۔
یہی چیز دوسرے مقام پر اس طرح مذکور ہے:
"فالھمھا فجورھا و تقواھا" (سورہ الشمس:۸)
پس اُس کوالہام کی گئیں اس کی بدیاں اور اس کی نیکیاں۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جو لوگ دنیاوی لذت اور شہوات میں منہمک ہو کر اپنی اس فطری قوت اور فطری روشنی کو کھو دیتے ہیں تو قرآنی آیات اور پیغمبرانہ ارشادات اس کے لئے لاحاصل ہوتے ہیں کیونکہ وہ روحانی اعتبار سے مردہ ہو چکا ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:
"انک لاتسمع الموتی و لاتسمع الصم الدعاء اذا ولّوا مدبِرین"
(سورہ نمل:۸)
آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے۔جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔

جن کے دلوں میں یہ روشنی ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی دھندلی ہو پیغمبر تلاوت آیات سے اسے روشن تر کردیتا ہے۔یعنی پیغمبر تزکیہ فطرت کے مطابق کرتا ہے۔مولانا کا خیال ہے کہ تزکیہ صرف مفرد اور سادہ عمل کا نام نہیں ہے بلکہ یہ کئی اجزاء کا مرکب ہے اس کا موضوع نفس انسانی ہے جو دو چیزوں یعنی علم اور عمل کا مجموعہ ہے۔ اس لئے تزکیہ کے بھی دو پہلو ہیں تزکیہ علم اور تزکیہ عمل۔تزکیہ علم کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام کثافتوں اور آلودگیوں سے اتنا دور ہو کہ شیاطین کی فتنہ انگیزیاں اس پر اپنا اثر نہ دکھا سکیں اور کبھی وہ خواہشات نفس کا شکار ہو جائے تو تنبیہ ہوتے ہی اس سے باز آجائے اور توبہ وانابت سے اس کی تلافی کرے۔ایسے لوگوں کے لیے قرآن کریم میں آیا ہے۔

"ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطن تذکّروا فاذاھم مبصرون" (سورہ اعراف:۲۰۱)
جو ڈر رکھتے ہیں اگر ان کو بھی شیطان کی چھوٹ لگ جاتی ہے تو وہ فوراً متنبہ ہوتے ہیں اور پھر دفعتہً ان کو نظر آنے لگتی ہے۔

آگے مولانا یہ فرماتے ہیں کہ ایک صالح علم کے لئے مستقل اللہ سے دعا مانگنی چاہیے خود پیغمبر جس کی فطرت علم وعمل کی مافوق العادت قوتوں اور قابلیتوں کا خزانہ ہوتی ہے۔وہ بھی ان آیات کا، تزکیہ کے لیے، محتاج ہوتا ہے۔یہ آیات اس کے دلوں کو کھول دیتی ہیں۔اور وہ عشق آیات میں بیتاب ہو کر ''رب زدنی علما'' کا ورد کرنے لگتا ہے۔اس کی بے خودی اور عجلت کا یہ حال ہوتا ہے کہ معلم غیب کی زبان سے اس کو "لاتعجل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے لگتا ہے۔اس کی بے خودی اور عجلت کا یہ حال ہوتا ہے کہ معلم غیب کی زبان سے اس کو "لاتعجل بالقرآن" کا محبت آمیز عتاب سننا پڑتا ہے۔

جس قرآن عظیم کا یہ رتبہ ہو اس کے متعلق یہ بدگمانی مناسب نہیں کہ وہ صرف چند قوانین، وعظوں اور قصوں کا ایک منتشر مجموعہ ہے اور جس کو سمجھنے کے لئے تفکر وتدبر کی ضرورت نہیں ہے۔مولانا تعلیم آیات کے سلسلے میں نتیجہ یہ پیش کرتے ہیں۔''اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ پیغمبر پہلے تلاوت آیات کے ذریعے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے، فطرت کے مدفون خزانوں کو ابھارتا ہے، اُلٹے ہوئے چشموں کو جاری کرتا ہے، دبی ہوئی صلاحیتوں کو نمایاں کرتا ہے۔ چونکہ فسادِ علم کی جڑ شرک اور فسادِ عمل کی جڑ انکار معاد ہے۔ اس لئے سب سے پہلے توحید ومعاد کی تعلیم کو دلوں میں راسخ کرتا ہے اور جب ان سے فارغ ہو چکتا ہے تو تعلیم کتاب کا باب شروع کر دیتا ہے۔(۳۹)

اس کے بعد مولانا نے تعلیم کتاب پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ تعلیم کتاب سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اس سے پورا قرآن مقصود نہیں ہے کیونکہ آگے حکمت کی بحث آرہی ہے۔تعلیم کتاب سے وہ حصہ مراد ہے جو احکام وقوانین سے متعلق ہے۔کتاب کا متعدد مفہوم قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔مثلاً آسمانی کتاب، اللہ کا قرار دادہ فیصلہ، شرائع وقوانین، اللہ کے قرار دادہ فیصلوں کا دفتر اور اعمال نامے وغیرہ۔لیکن یہاں تعلیم کتاب سے مراد قرآنی احکام وقوانین ہیں۔اس مفہوم میں قرآن کریم کی متعدد آیات موجود ہیں مثلاً

"کتب علیکم القصاص۔ولا تعزلوا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب اجله۔ واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللّٰه"

اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ تعلیم الٰہی حکمتوں پر مبنی ہوتی ہے پہلے اس نے فطرت کے تقاضوں کے مطابق دلائل کے ذریعہ سے ہم کو جب تک غیر فطری آلودگیوں سے پاک نہ کرلیا اس وقت تک قوانین کی اطاعت کی ذمہ داری ہم پر نہیں ڈالی۔(۴۰)

تعلیم کتاب پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے بتایا کہ''تمام شریعت کا سرچشمہ فطرت کے چند بنیادی حقائق ہیں۔جس طرح ایک سے سو اور ہزار وجود میں آتے ہیں۔اسی طرح چند بنیادی حقائق کے لوازم ونتائج کے طور پر دین کا سارا عملی واعتقادی نظام وجود میں آتا ہے اسی وجہ سے دین اسلام کو دین فطرت کہا گیا ہے۔(۴۱) اور آگے ایک دوسری چیز یہ بتائی کہ'' دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شرائع واحکام حقیقت میں تزکیہ کی جزئیات ہیں یہ تزکیہ کو کامل اور روشن کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت سے ایمان پیدا ہوتا ہے اور عمل کے ذریعہ سے بندہ اس ایمان کو بڑھاتا ہے۔(۴۲)

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"ان الصلوة تنهی عن الفحشاء والمنکر"

نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لن ينال اللّٰہ لحومھا ولا دماء ھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم۔" (سورہ الحج:۳۷)

خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچے گا بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچے گا۔

اس کے بعد مولانا نے "حکمت" سے بحث کی ہے کہ آیت میں حکمت سے مراد حکمت قرآن ہے یا حدیث۔ مولانا نے دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد حدیث نہیں بلکہ حکمت قرآن مراد ہے۔ کیونکہ متعدد آیات میں حکمت کے لئے ۔یتلیٰ ۔اُنزِل اور اوحیٰ کے الفاظ آئے ہیں جس کا استعمال حدیث کے لئے قرآن میں کہیں نہیں ہوا ہے۔مثلاً

"انزل اللّٰہ علیك الکتاب والحکمۃ وعلمك مالم تکن تعلم"

(سورہ النساء:۱۱۳)

اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور وہ باتیں سکھائیں جو تم نہیں جانتے تھے۔

دوسری جگہ ہے:

"واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللّٰہ والحکمۃ"

(سورہ الاحزاب:۳۴)

تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

ایک تیسری جگہ ارشاد ہے:

"ذلك مما اوحی الیك ربك من الحکمۃ" (سورہ الاسراء:۳۹)

تمہارے رب نے تمہارے پاس جو حکمت وحی کی ہے یہ اس میں سے ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کے دلائل و براہین کو حکمت بالغہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور خود قرآن کو قرآن حکیم اور کتاب حکیم وغیرہ کہا گیا ہے۔مثلاً

"حکمۃ بالغۃ فماتغن النذر و یٰسین و القرآن الحکیم"

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا گیا:

"واذعلمتك الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل" (سورہ المائدہ:۱۱۰)

یاد کرو جب ہم نے تم کو کتاب حکمت تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔

یہاں پر کتاب اور حکمت کے بعد تورات اور انجیل بطور تشریح کے آئے ہیں کتاب کا لفظ تورات کے لئے اس لئے آیا ہے کہ یہ احکام و قوانین پر مشتمل ہے اور حکمت کا لفظ انجیل کے لئے اس لئے آیا ہے کہ یہ دلائل ونصائح پر چلتی ہے۔(۴۳)

مذکورہ وجوہ کی بناء پر حکمت سے حدیث مراد لینا مناسب نہیں ہے۔آگے مولانا نے مولانا فراہی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ وجوہ کی بناء پر حکمت سے حدیث مراد لینا مناسب نہیں ہے۔ آگے مولانا نے مولانا فراہی کی کتاب ''حکمت قرآن'' سے ایک طویل اقتباس کے ذریعہ لفظ حکمت کی لغوی تحقیق پیش کی ہے۔(۴۵)

مذکورہ بالا بحث کے بعد مولانا اس پہلو پر آتے ہیں کہ وہ احکام وقوانین کا مجموعہ ہی نہیں۔اس کے متعلق یہ خیال درست نہیں کہ بغیر تفکر وتدبر کے اس کی حکمتوں تک پہنچا جاسکتا ہے۔اور اسے سمجھنے کے لئے صرف زبان عربی کا جاننا ہی کافی ہے یہ بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ احکام وقوانین کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اندر ایک عمیق فلسفہ اور گہری حکمت بھی رکھتا ہے۔ جس تک رسائی کے لئے صرف تیرنا ہی کافی نہیں بلکہ ڈوبنے کی بھی شدید ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک ایک سورہ اور ایک ایک آیت پر سالوں سال اور گھنٹے صرف کرتے۔اور قرآن پر غوروخوض کے لئے وہ مجلسیں قائم کرتے۔خود سرور کائنات ؐ اس طرح کی مجلسوں کے قیام کے لئے صحابہ کرامؓ کو شوق دلاتے (۴۵) ابو داود میں ذکر ہے۔

''مـا اجتـمـع قـوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدسونہ بینھم الانزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملائکۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ''(۴۶)

جو لوگ کسی جگہ مجتمع ہو کر اللہ کی کتاب پڑھنے اور باہم درس و مذاکرہ قرآن کی مجلسیں قائم کرتے ہیں۔ان پر اللہ کی طرف سے تسکین اور رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ اور ملائکہ ان کو ہر طرف سے گھیرے کھڑے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے حلقہ میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے:

''عبداللہ بن عمر مکث علی سورۃ البقرۃ ثمانی سنین یتعلمھا''(۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمر مسلسل آٹھ برس تک سورہ بقرہ پر تدبر فرماتے رہے۔

اس کے علاوہ خود قرآن کی بیشتر سورتوں میں مختلف انداز سے تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔کہیں لعلکم تعقلون، کہیں لعلکم تفکرون اور کہیں لعلکم تذکرون آیا ہے۔

فہم قرآن مجید کے لئے ایک ضروری شرط کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

''ان فـی ذالـك لـذکـری لـمـن کـان لـه قـلـب اوالـقـی الـسـمـع وھو شھید''(ق:۳۷)

بیشک اس میں یاددہانی ہے اس شخص کے لئے جس کے پاس دل ہو یا متوجہ ہو کر بات پر کان دھرلے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ فہم قرآن کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ انسان کے پاس بیدار دل ہو اور سننے والا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کسی ایک کا ہونا لازمی ہے۔یا تو آدمی کے سینہ کے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور فہم وادراک کی روشنی اس کے اندر زندہ ہو۔یا یہ کہ اپنے کانوں کو وہ اس کے لئے کھول دے اور طبیعت کی آمادگی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرے۔جو حضرات دونوں باتوں سے محروم ہیں وہ قرآن مجید کے فیض سے محروم ہیں۔ان لوگوں کی تصویر سورہ محمد میں ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے۔(۴۹)

"افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا۔"

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔

اسی بحث کو مولانا نے آگے بڑھاتے ہوئے "ولقد یسّرنا القرآن" کی صحیح تاویل پیش کی ہے۔کہ قرآن کریم ایک سیدھی سادی کتاب ہے یہ احکام وقوانین اور پندوموعظت پر مشتمل ہے۔اس کی ایک ایک سورہ پر آٹھ آٹھ برس سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟اس کے لئے روایات،تفاسیر اور شان نزول کی کوئی حاجت نہیں۔مولانا فرماتے ہیں کہ اگر اس آیت پر سنجیدگی سے غور کیا جاتا تو ہرگز ایسا نہ کہا جاتا۔بالعموم اس آیت کا مفہوم یہ بتایا جاتا ہے کہ حصول نصیحت کی غرض سے یہ کتاب آسان ہے جو ایک مناسب خیال ہے لیکن یہ بات ہرگز درست نہیں کہ حفظ کے نقطہ نظر سے آسان ہے۔(۵۰)

مولانا نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے "یسرنا" اور "للذکر" پر لغوی بحث کی ہے۔مجاہدؒ نے "یسرنا" کا مفہوم "ھوناہ" بتایا ہے۔اور ابن زید نے اس کا مفہوم "بیّناہ" قرار دیا ہے اس سے ایک حد تک مفہوم تو ادا ہو گیا لیکن اس کی جامعیت کا حق نہ ادا ہوسکا۔"یسر" کے معنی لغت میں نرمی اور فرمانبرداری کے ہیں۔اسی سے تیسیر ہے جس کے معنی ہیں کسی شی کو کسی مقصد کے لئے موزوں،صالح،موافق اور سازگار بنا لینا۔مثلاً کہیں گے۔ "یسر الفرس" یعنی اس نے گھوڑے کو زین،رکاب اور لگام سے آراستہ کر کے سواری کے لئے بالکل تیار کرلیا۔

"یَسَّرنا قتہ للسفر اذا رحلھا و یسر الفرس للغزو اذا اسرجہ والجمہ"(۵۳)

اعرج معنی کا شعر ہے۔

"قمت الیه باللجام یسرًا۔ھنالك یحبترینی الذی کنت اصنع" (۵۴)

میں اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا تو حال یہ تھا کہ وہ لگام کے ساتھ بالکل تیار کھڑا تھا ایسے ہی وقتوں میں وہ میرے احسانات کا حق ادا کرتا ہے۔یہیں سے اس میں اہل اور لائق بتانے کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔

مضرس بن ربعی کا شعر ہے۔

"نعین فاعلنا علی ماتابه۔حتی تیسره لفعل السید" (۵۵)

ہمارے سردار کو جو مشکلیں پیش آتی ہیں۔ہم اس میں اس کی مدد کرتے ہیں۔یہاں تک کہ اس کو سرداری کے کام کا اہل بنا دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرداری کے کام کا اہل بنا دیتے ہیں۔

"للذکر" کا ترجمہ بعض مفسرین نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے کیا ہے اور بعض نے سمجھنے کے لئے کیا ہے۔ مولانا کے نزدیک یہی درست ہے اگرچہ پھر بھی پوری حقیقت منظر عام پر نہیں آ رہی ہے ذکر کے اصل معنی یاد کرنے اور بیان کرنے کے ہیں۔ ذکر آسمانی کتابوں کے لئے بھی آتا ہے مثلاً "فاسئلوا اهل الذكر" اسی طرح قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ "وهذا ذكر مبارك انزلناه"

اور یہ لفظ قرآن کریم میں اس کی صفت کے طور پر بھی آیا ہے۔ مثلاً "والقرآن ذي الذكر" اسی طرح انبیائے کرام کو "مذکر" اور ان کی تعلیمات کو تزکیر اور ذکری کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"فذكر ان نفعت الذكرىٰ"

اس طرح قرآن کو "تذکرہ" اور "نور" کہا گیا ہے ان دونوں لفظوں سے اس کی پوری حقیقت منظر عام پر آجاتی ہے۔ اور یہ چیز نہایت صراحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ قرآنی تعلیمات فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔ ایک مذکر صرف اس لئے آتا ہے کہ انسان کو اس کا بھولا بسرا ہوا سبق یاد دلا سکے۔(۵۶) مولانا فرماتے ہیں کہ "پس قرآن مجید کے سہل ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ اگر کوئی طالب علم اس کی رہنمائی میں حقیقت تک پہنچنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد ہوگی۔ کیونکہ اس نے وہ راہ اختیار کر لی۔ ہے جو اللہ کی کھولی ہوئی راہ ہے۔ اور جس سے سیدھی اور کھولی ہوئی کوئی دوسری راہ نہیں۔(۵۷) حضرت قتادہ نے "هل من مذكر" کی تاویل فرماتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

"هل من طالب علم فيعان عليه" ہے کوئی طالب علم جس کی مدد کی جائے۔

اسی حقیقت کی طرف صاحب کشاف نے بھی اشارہ کیا ہے:

"يجوز ان يكون المعنى و لقد هياناه للذكر من يسر ناقته
للسفر اذا رحلها و يسر فرسه للغزو اذا اسرجه والجمه" (۵۹)

یعنی اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے ذکر یعنی حصول علم کے لئے قرآن مجید کو تیار کیا ہے۔ جیسا کہ محاورہ ہے۔ کہ اس نے اونٹنی کو سفر کے لیے اور گھوڑے کو میدان جنگ کے لئے تیار کیا ہے۔ اس بحث کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ تفسیر کا جو مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ایک عام فہم کتاب ہے اس کے لئے تفکر و تدبر کی ضرورت نہیں۔ اور اس کو جاننے کے لیے صرف عربی جاننا ہی کافی ہے مناسب نہیں ہے۔ مولانا فرماتے ہیں "اگر وہ ایمان لانا چاہتے ہیں اور یہ وعدہ محض مذاق و شرارت نہیں ہے بلکہ سچائی کے ساتھ ان کے دل کا اقرار ہے تو پھر علم کی راہ اختیار کریں، علم کے حصول کے لئے ہم نے قرآن مجید کو نہایت مکمل اور موزوں بنا دیا ہے۔ اس میں ہر سوال کا جواب ہے۔ ہر شبہ کا ازالہ ہے ہر خلش کے لے تشفی ہے۔ بس اس کو اختیار کریں وہ ہر منزل میں رہنمائی کرے گا اور ہر عقدہ کو حل کریگا۔(۶۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نزول عربی مبین میں ہوا۔ قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر اس خصوصیت کا ذکر ہے۔ (۶۱) مثلاً انا انزلناہ قرآنا عربیاً۔ (سورہ یوسف:۲) دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "کتابُ فصلت آیاته قرآنا عربیا۔ (سورہ فصلت:۳) اور تیسری جگہ ارشاد ہے۔ وهذا السان عربی مبین" (سورہ نحل:۱۰۳) مولانا فرماتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید عربی میں نازل ہوا۔ پھر عربی بھی وہ عربی جو عربی مبین ہے۔ بالکل واضح اور صاف، مغلق اور پیچیدہ نہیں جس کو ہر طبقہ بآسانی نہ سمجھ سکے، محدود اور تنگ نہیں۔ جس کے اسالیب و قواعد اور الفاظ و محاورات قبیلوں اور جماعتوں کے ساتھ مخصوص ہوں۔ بلکہ وہ عربی جو فصحائے عرب کی بولی تھی۔ جس کو سب سمجھتے تھے اور جس کی فصاحت پر سب کا اتفاق و اجماع تھا۔ پس عربی زبان میں قرآن مجید کا اترنا عربوں کے لحاظ سے نہایت کھلی ہوئی تیسیر تھی چنانچہ بعض آیات میں اس کی تصریح بھی ہے۔ (۶۲)

"فانما یسرناہ بلسا نك لتبشر به المتقین و تنذر به قوماً لدا"

(سورہ مریم:۹۷)

ہم نے اس کو موزوں بنایا تھا۔ تمہاری زبان میں، تا کہ تم اس کے ذریعہ سے خدا ترسوں کو خوشخبری اور ہٹ دھرموں کو آگاہ کرو۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فانما یسّرناہ بلسانك لعلهم یتذکرون" (سورہ جاثیہ:۵۸)

اور ہم نے اسکو استوار کیا تمہاری زبان میں تا کہ وہ یاد دہانی حاصل کریں۔

قرآن کی تیسیر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔ تا کہ قرآن کی تعلیمات دلوں میں واضح ہو جائیں۔ وہ آہستہ آہستہ حالات کے تقاضے اور ضروریات کے مطابق نازل ہوتا رہا، جب کفار نے یہ اعتراض کیا کہ یہ کیوں نہیں تورات کی طرح ایک ساتھ نازل ہو جاتا، جستہ جستہ کیوں اترتا ہے تو ان کے جواب میں اللہ فرماتا ہے:

"کذالك لنثبت به فوادك ورتلناہ ترتیلا۔" (سورہ الفرقان:۳۲)

ایسا اس لئے ہے کہ اس طرح ہم تمہارے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"لتقراہ علی الناس علیٰ مکث" (بنی اسرائیل:۱۰۶)

تا کہ تو اسے لوگوں کو وقفہ وقفہ کے ساتھ سنائے۔

تیسیر کا تیسرا پہلو سورہ ہود کے آغاز میں مذکور ہے:

"کتاب احکمت أیاته ثم فصلت من لدن حکیم خبیر" (سورہ ہود)

ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں پھر ایک حکیم کی طرف سے ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں پھر ایک حکیم کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مکی سورتوں میں دین کی تمام اصولی تعلیمات توحید، رسالت اور معاد وغیرہ نہایت مختصر اور جامع لفظوں میں بیان ہوئی ہیں۔ اور بعد میں ان کی تفصیلات اور جزئیات مدنی سورتوں میں بیان کی گئیں۔ قرآن کریم کے اجمال و تفصیل کا یہ طریقہ فطرت انسانی کے نقطہ نظر سے نہایت مناسب ہے۔

تیسیر کا چوتھا پہلو تصریف آیات ہے یعنی قرآن کریم مخاطب کے ذہن میں اچھی طرح بات کو ذہن نشین کرانے کے لئے ایک ہی بات کو مختلف انداز سے پیش کرتا ہے۔ (۶۳) قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"انظر کیف نصرف الآیات ثُم هم یصدفون" (سورہ انعام: ۶۴)

دیکھو کیسے ہم پھیر پھیر کر اپنے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ منہ موڑتے ہیں۔

"انظر کیف نصرف الآیات لعلهم یفقهون" (سورہ انعام: ۶۵)

دیکھو کیسے ہم اپنی دلیلیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھیں۔

مولانا فرماتے کہ تصریف آیات کا لفظ تصریف ریاح سے لیا گیا ہے۔ یعنی ہوا ایک ہی ہے لیکن اس کے تصرفات میں تنوع اور رگونا گونی ہے یعنی وہ رحمت بھی ہے اور نعمت بھی۔ مولانا کا خیال ہے کہ اس کا ہر بھیس اس کائنات کی زندگی اور نشوونما کے لئے ضروری ہوتا ہے وہ کبھی گرم ہوتی ہے، کبھی سرد، کبھی خشک ہوتی ہے کبھی تر، کبھی آندھی کی ہولنا کی بن کر نمودار ہوتی ہے کبھی نسیم صبح کی جان نوازی بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے اس تصریف ریاح کا مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے۔ سورہ ذاریات اور مرسلات میں اسکے عجائب تصرفات کی قسم بھی کھائی گئی ہے۔ (۶۴)

بارش کی ایک مثال سے اللہ تعالیٰ نے تین حقائق کو پیش کیا ہے ایک تو یہ کبھی مدتوں بارش نہیں ہوتی ہے ایسے میں بندہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے لگتا ہے۔ لیکن اچانک کوئی ابر کا ٹکڑا اٹھتا ہے اور بنجر زمین کو جل تھل کر دیتا ہے۔ چنانچہ بندے کی مایوسیاں امید میں بدل جاتی ہیں اسی لئے مناسب یہ ہے کہ خوف اور طمع ہر حال، میں اللہ ہی کو پکارا جائے۔

"وادعوه خوفاً وطمعًا ان رحمة الله قریب من المحسنین"

(سورہ الاعراف: ۵۶)

پس امید ہو یا ہم ہر حال میں اسی کو پکارو اللہ کی رحمت اس کے اچھے بندوں سے قریب ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ منکرین کو اس پر حیرت ہے کہ ہم گل سڑ جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی نظر نہیں آتا۔لیکن بارش ہوتے ہی چند دنوں کے بعد سطح زمین پر سبزہ کی بارات بچھ جاتی ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

"سقناه لبلدٍ میت فانزلنا به الماء فاخر جنابه من کل الثمرات کذالك نخرج الموتی" (سورہ الاعراف:۵۷)

ہم ان بادلوں کو کسی سوکھی زمین کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں۔اور وہاں پانی برسا دیتے ہیں۔پھر اس سے پیدا کر دیتے ہیں ہر قسم کے پھل۔اسی طرح مُردوں کو بھی اٹھا کر کھڑے کریں گے۔

ایک تیسری حقیقت یوں ہے کہ بارش زمین کے ہر حصہ پر ہوتی ہے لیکن اس کے اثرات و نتائج مختلف حصوں میں مختلف ہوتے ہیں۔زرخیز زمین لہلہا اٹھتی ہے اور لوگوں کے لئے سبب رزق بن جاتی ہیں لیکن تھور زمینیں ویسی کی ویسی ہی پڑی رہتی ہیں۔اگر اس میں کچھ اُگا بھی تو وہ انسانوں کے لئے راس نہیں۔یہی حال آسمان کی روحانی بارش کا ہے۔جو تمام لوگوں کے لئے عام ہوتی ہے۔لیکن ہر انسان بقدر استعداد اس سے فیضیاب ہوتا ہے۔فطرت صالحہ اس سے خیروبرکت حاصل کرتی ہے اور فطرت فاسدہ اس سے اضطراب کا شکار ہو جاتی ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

"والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لایخرج الانکداً"

(سورہ الاعراف:۵۷)

جو زمین زرخیز ہوتی ہے اس کی نباتات خدا کے حکم سے خوب اُگتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے وہ بہت کم اُگاتی ہے۔

تصریف آیات کا مقصد یہ ہے کہ "کذالك نصرف الآیات لقوم یشکرون مولانا کہتے ہیں کہ تصریف آیات کا تعلیم اور تیسیر میں اس قدر دخل واضح ہے کہ اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں۔اس تصریف کا مقصد خود قرآن مجید کی تصریحات کے مطابق یہ ہے کہ لوگ یاد دہانی حاصل کریں اور سمجھیں

"ولقدصرفنافی هذاالقرآن لیذکروا ومایزیدهم الاکفورا"

اور ہم نے اس قرآن میں اپنے دلائل پھیر پھیر کر بیان کئے کہ لوگ یاددہانی حاصل کریں۔لیکن یہ چیز ان کی نفرت ہی بڑھاتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح سامنے آگئی کہ تیسیر کا وہ مفہوم درست نہیں ہے جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ یہ حصول علم اور یاد دہانی کے لیے نہایت آسان ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علم دین فکرو تدبر کی تمام کاوشوں سے مستغنی ہو گیا ہے۔(۶۵)

اس کے بعد قرآن مجید کی مشکلات بااعتبار مخاطب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد قرآن مجید کی مشکلات بااعتبار مخاطب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دور اول میں صحابہ کرام قرآن کی امثال ،اسالیب،اصطلاحات،تلمیحات،احوال عرب اور اپنی قوم کے عقائد ورسومات سے پوری طرح واقف تھے۔جہاں قرآن کریم نے اشارہ کیا سمجھ گئے جہاں لسان غیب سے کوئی نقطہ تراوش ہوا وہ بے تکلف اس کا مطلب سمجھ گئے۔اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں ابولہب کی نسبت نہایت لطیف تصریحات ہیں جن کی تہہ تک پہنچنا صحابہ کرام کے لئے دشوار گزار نہ تھا۔لیکن آج کے عہد میں ان تصریحات کا سمجھنا اور قرآنی اسالیب کا بآسانی پکڑنا مشکل ہے ،بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں ہلکے سے اشارات ہیں ان کا سمجھنا ہم لوگوں کے لئے ایک مسئلہ ہے لیکن صحابہ کرام اشارہ پاتے ہی پوری داستان کو سمجھ جاتے تھے۔اس سلسلے کی دو مثالیں یہاں پیش کی جارہی ہیں۔ایک میں اہل مکہ کی نماز کا ذکر ہے۔

"وما کان صلوتهم عندالبیت الامکاءً وتصریةً"

نہیں تھی ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس مگر تالی بجانا اور سیٹی بجانا۔

آج اہل مکہ کی اس عبادت کا پورا تصور منظر عام پر لانا ہمارے لیے کس قدر مشکل ہے لیکن عہد نزول قرآن کے لوگوں کے سامنے اس کی پوری تصویر موجود تھی۔کیونکہ ظہور اسلام سے قبل خود اسی طرز پر اپنی نمازیں ادا کرتے تھے۔(۶۶)

اسی طرح سورہ اعراف میں ذکر ہے:

"واذا فعلوافاحشة قالواوجدناعلیها آباءناوالله امرنا بها قل ان الله لایامربالفحشاء اتقولون علی الله مالاتعلمون"(سورہ اعراف:۲۸)

اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو یہ کام کرتے ہوئے پایا ہے اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے کہدو اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ پر ایسی بات کا الزام دھرتے ہو۔جس کا تمہیں علم نہیں۔

اس آیت میں اہل مکہ کے ننگے طواف کرنے کا ذکر ہوا ہے جبکہ بالفاظ اس کا ذکر نہیں ہے بلکہ ایک لطیف سا اشارہ ہے۔کیونکہ اہل مکہ اس کے سیاق وسباق سے پوری طرح واقف تھے۔لیکن آج ہمارے لئے اس آیت کے پس منظر کو پوری طرح گرفت میں لے لینا آسان نہیں ہے۔ننگی حالت میں طواف کرنے کا ذکر دوسری جگہ اس طرح ہے۔

"یبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد و کلوا واشربوا ولاتسرفوا انه لایحب المسرفین قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبات من الرزق" (سورہ اعراف:۳۲،۳۱)

اے بنی آدم! ہر مسجد کے پاس لباس وغیرہ سے اپنے تئیں آراستہ کر لیا کرو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا۔ان لوگوں سے کہو کہ کس نے حرام کی اللہ تعالیٰ کی زینت جو اس نے اپنے
بندوں کے لئے پیدا کی اور پاک روزیاں (جو اس نے اپنے بندوں کو بخشیں۔

اسی طرح کے بہت سے واقعات اور اہل مکہ کے عقائد و رسومات متعدد آیات میں ذکر کیے گئے ہیں جن سے صحابہ کرام پوری طرح باخبر تھے۔لیکن موجودہ عہد میں ان تمام چیزوں سے آگاہ ہونے کے لئے بہت چیزوں کا سہارا لینا پڑے گا۔

جن کی طرف مولانا فراہیؒ نے ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے ۔''ہم کو لازم ہے کہ زمانہ نزول کی پوری حالت تمدن سے ہم واقف ہوں''

۱۔ ہم کو اس وقت کے یہود ونصاری ،مشرکین، صابئین وغیرہ کے مذہب و معتقدات سے واقف ہونا چاہیے۔

۲۔ ہم کو عرب کے عام توہمات کو دریافت کرنا چاہیے۔

۳۔ ہم کو جاننا چاہیے کہ نزول قرآن کی مدت میں کیا کیا واقعات نئے پیدا ہوئے اور ان سے عرب کی مختلف جماعتوں میں کیا کیا مختلف باتیں زیر بحث آ گئیں۔کیا کیا ملکی و تمدنی جھگڑے چھڑ گئے اور تمام عرب میں کیا شورش پیدا ہو گئی۔

۴۔ ہم کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ عرب کا مذاق سخن کیا تھا کس قسم کے کلام سننے اور بولنے کے وہ عادی تھے بزم میں ان کا خطیب کس روش پر چلتا تھا۔ایجاز اور اطناب ،ترصیع وترکیب، دیگر اسالیب خطابت کو وہ کیونکر استعمال کرتے تھے۔

۵۔ اور بالآخر ہم کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ عرب کے ذہن میں اخلاق کے مدارج نیک وبد کیا تھے۔(۶۷)

اس کے بعد مولانا نے سلف کے طریقہ تفسیر پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ پہلے وہ آیات کی تفسیر کے لئے دوسری آیات سے مدد لیتے تھے۔اس کے بعد احادیث رسول کے ذریعہ قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتے اور تیسرے مرحلہ میں صحابہ کرام کے آثار و اقوال سے مدد لیتے تھے۔(۶۸) جس کی طرف علامہ سیوطی نے خود اپنی کتاب میں اشارہ کیا ہے۔ (۶۹) اور وہیں پر علامہ سیوطی نے یہ بات بھی بڑے شدومد کے ساتھ کہی ہے کہ تفسیر کے وقت اس کا ضرور خیال رہے کہ موضوع اور ضعیف احادیث سے احتراز کیا جائے۔(۷۰)

شان نزول کے سلسلے میں مولانا فرماتے ہیں کہ تفاسیر کو دیکھا جائے تو تقریباً ہر آیت سے متعلق کوئی نہ کوئی واقعہ موجود ہے اور کبھی کبھی ایک ہی آیت کے شان نزول میں اتنے واقعات درج ہیں کہ ان میں تضاد پایا جاتا ہے ۔اس سلسلے میں مولانا کا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر واقعات کا آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر ہر آیت سے متعلق کوئی واقعہ یا چند واقعات تسلیم کر لیے جائیں تو قرآن میں نظم وتسلسل کی تلاش بے معنی ہو کر رہ جائے گی ۔ ہر آیت کو کسی واقعہ سے جوڑنا تسلسل کے منافی ہے۔(۷۱) جیسا کہ امام رازیؒ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے گی ۔ ہر آیت کو کسی واقعہ سے جوڑنا تسلسل کے منافی ہے۔۔(۷۱) جیسا کہ امام رازیؒ نے
"واذا جاء ك الذين يومنون بايتنا"
کی تفسیر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ میرے سامنے یہاں ایک سخت اشکال ہے وہ یہ کہ لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ پوری سورہ بیک دفعہ نازل ہوئی جب معاملہ یوں ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ سورہ کی ہر آیت کی نسبت یہ کہا جائے کہ اس کے نزول کا سبب فلاں واقعہ ہے ۔(۷۲)

اس کی مزید وضاحت علامہ سیوطیؒ نے ان لفظوں میں کی ہے کہ زرکشیؒ نے برہان میں لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ وتابعین عظام کا یہ طریقہ عام ہے کہ ان میں سے جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ آیت فلاں بارے میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ بات اور پتہ اس کے نزول کا سبب ہے گویا یہ بس آیت سے اس معاملہ پر ایک استدلال ہوتا ہے نہ کہ نقل واقعہ(۷۳) ٹھیک یہی تحقیق شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی ''الفوزالکبیر میں پیش کی ہے ۔(۷۴) اسی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے مولانا کا خیال ہے کہ صرف ان قصص و واقعات کو جاننا ضروری ہے جن کی طرف آیات خود اشارہ کررہی ہوں کیونکہ بغیر اس کے پوری طرح سے آیات کی تفسیر ممکن نہیں ہے۔ (۷۵) اس پہلو کی طرف خود شاہ صاحب نے بھی اشارہ کیا ہے۔(۷۶)

آخر میں مولانا نے خلاصہ بحث پیش کرتے ہوئے بتایا کہ

۱ قرآن مجید بعض پہلوؤں سے آسان ہے اور بعض پہلوؤں سے دقیق اور مشکل۔ اس لئے یہ کہنا کہ وہ ایک سپاٹ کتاب ہے مناسب نہیں ہے ۔

۲ اس کے متعلق یہ نظریہ بھی درست نہیں کہ وہ محض احکام وقوانین کا مجموعہ اور حرام وحلال کے معلوم کرنے کا ایک خشک اور سیدھا سادہ ضابطہ ہے بلکہ یہ کتاب الٰہی تین اجزاء پر مشتمل ہے ۔

۱۔ آیات اللہ یعنی دلائل وبراہین

۲۔ کتاب یعنی قوانین واحکام

۳۔ اور حکمت یعنی روح شریعت اور جوہر دین ۔ پہلا حصہ دین کی منطق، دوسرا حصہ دین کا نظام اور تیسرا حصہ دین کا فلسفہ ہے

۴۔ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس سے یہ تقاضا ہو کہ وہ ایک سپاٹ کتاب ہے کیونکہ اس میں بیشمار ایسی آیات ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس پر تفکر وتدبر کرنا چاہیے۔

۵۔ جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر کے باب میں صرف روایات ہی پر اعتماد کرتے ہیں وہ یقیناً غلو کرتے ہیں، کیونکہ یہ بات محققین کے مذہب کے برعکس ہے۔

۶۔ شان نزول سے بھی قرآن مجید کی وضعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے محققین کے نزدیک یہ استنباط کی ایک قسم ہے یعنی صحابہ کرامؓ جو یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں واقعہ پر اتری یا فلاں بارے میں نازل ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالعموم یہ ہوتا ہے کہ وہ آیت فلاں حکم پر مشتمل ہے۔(۷۷)

اس کتاب کا آخری باب ''تفسیر کا اصول'' ہے اس کے آغاز میں مولانا نے مفسرین کے چار مکاتب کا ذکر کیا ہے جن میں سے تین مکاتب محدثین اور اہل روایت کا طریقہ (اس طرز پر تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر لکھی گئی) متکلمین کا طریقہ (اس طرز پر زمخشری تفسیر کشاف اور رازی کی تفسیر کبیر منظر عام پر آئی) اور مقلدین کا طریقہ (یعنی مذکورہ تفاسیر کے بعد بقیہ تمام تفاسیر گزشتہ تفاسیر کے خطوط پر تصنیف کی گئیں) کا ذکر باب ''تیسیر قرآن'' میں آچکا ہے (۷۸) اور چوتھا مکتب فکر ''متجددین کا طریقہ'' ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جو مغربی افکار و نظریات سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ اس کی تائید قرآنی آیات سے کرنا شروع کر دیا۔اس طریقہ تفسیر کی طرح سرسید مرحوم نے ڈالی اور پھر یہ فتنہ بڑھتا ہی گیا۔ مولانا نے ان چاروں مکاتب پر تنقید کی ہے۔ان میں سے تین مکاتب پر باب ''تیسیر قرآن'' میں تنقید آچکی ہے۔چوتھے مکتب فکر متجددین کے باب میں مولانا کا خیال ہے کہ جس طرح متکلمین نے اپنے نظریات کی تائید کے لئے قرآن کو توڑ مروڑ کر پیش کیا۔اسی طرح انہوں نے بھی اپنے خیالات کو امت مسلمہ کے مابین مقبول بنانے کے لیے قرآن مجید پر ہاتھ صاف کیا اس سلسلے میں مصر کے علامہ طنطاوی اور ہندوستان کے سرسید کی تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ انہوں نے دین کی تمام حدیں مسمار کر دی ہیں۔اس طرح کی تفاسیر کو تفسیر قرآن کی بجائے تحریف قرآن کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

مولانا نے تفسیر کے صحیح اصول کے متعلق بتایا کہ وہ دو ہیں ایک قطعی اور دوسرے ظنی، قطعی اصول چار ہیں۔ ایک تو عربی زبان، دوسرا قرآن مجید کے الفاظ واسالیب، تیسرا قرآن مجید کی نحو اور چوتھا قرآن مجید کی بلاغت و صحافت ان تمام چیزوں پر مولانا نے اسی کتاب میں تدبر قرآن کے داخلی اور خارجی وسائل کے تحت روشنی ڈالی ہے۔(۷۹) اس باب کے آخر میں مولانا نے نظم قرآن سے بحث کی ہے۔جس پر ان کا ایک مقالہ بھی ہے۔(۸۰) آپ کے استاد گرامی مولانا فراہی کی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بھی ہے۔(۸۱) اور استاد وشاگرد دونوں حضرات نے نظریہ نظم قرآن کو اپنی اپنی (۸۲)(۸۳) تفاسیر میں عملی جامہ پہنایا ہے۔نظم قرآن کے متعلق مولانا کا خیال ہے کہ یہ صحیح تاویل کے تعین میں ایک فیصلہ کن عامل ہے۔نظم کا مطلب یہ ہے کہ ہر سورہ کا ایک عمود یا موضوع ہوتا ہے۔اور سورہ کی تمام آیات نہایت ترتیب اور مناسبت کے ساتھ اپنے موضوع سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔یعنی یہ متفرق آیات ایک حسین وحدت کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔اس کے بغیر سورہ کی اصل حیثیت اور آیات کی صحیح تاویلات منظر عام پر نہیں آسکتیں۔لیکن چونکہ نظم قرآن ایک مشکل عمل ہے اس لئے مفسرین نے اس کی طرف توجہ کم دی ہے۔اگر کسی نے دی بھی ہے تو بڑے سرسری انداز میں اور کچھ لوگوں نے نظم قرآن کو کار عبث قرار دیا ہے۔(۸۴)

اس کے بعد مولانا نے یہ واضح کیا کہ نظم قرآن آج کوئی نئی چیز نہیں ہے۔(۸۵) بلکہ پہلے کے لوگوں نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے علامہ ابوجعفر بن زبیر شیخ ابوحیان کے استاذ نے اس موضوع پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے علامہ ابو جعفر بن زبیر شیخ ابوحیان کے استاذ نے اس موضوع پر "البرھان فی مناسبة ترتیب سور القرآن" کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دی ۔(۸۶) اور شیخ برہان الدین بقاعی (المتوفی: ۱۴۸۰ء) کی ''تفسیر نظم الدرر فی تناسب الایہ والسور''(۸۷) بھی اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ۔علامہ سیوطیؒ نے بھی نظم قرآن پر اپنی تصنیف کا ذکر کیا۔(۸۸) امام رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں نظم قرآن پر خصوصی توجہ دی ہے ۔(۸۹) لیکن مولانا نے ان کی اس خدمت کو زیادہ مفید نہیں بتایا ہے اسی سلسلہ کی ایک کوشش علامہ مخدوم مہایمیؒ کی تفسیر ''تبصیر الرحمان وتیسیر المنان'' ہے۔۔(۹۰) جس میں انہوں نے اپنی کوشش کی حد تک آیات قرآن کا نظم بیان کرنے کی کوشش کی ہے ۔اس مسلک کے ایک اور بزرگ علامہ ولی الدین علوی ہیں جن کا نظم قرآن کے متعلق ارشاد ہے ۔''جولوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول چونکہ حالات کے تقاضے کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے ہوا ہے ۔ اس وجہ سے اس میں نظم نہیں تلاش کرنا چاہیے۔ان کو سخت دھوکا ہوا ہے قرآن مجید کا نزول بلا شبہ حسب حالات جستہ جستہ ہوا ہے لیکن جس طرح اس کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں نہایت گہری حکمت ملحوظ ہے۔۔(۹۱)

اس باب کے آخر میں مولانا فرماتے ہیں کہ مذکورہ گفتگو کی روشنی میں یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ مولانا فراہی اور ان کے اساتذہ سے قبل بھی نہ صرف یہ کہ اس نظریہ کے قائلین رہے ہیں بلکہ اس پر تصانیف منظر عام پر آئیں اور اس کی روشنی میں تفاسیر بھی ترتیب دی گئیں۔(۹۲)

حواشی

۳۸۔وضاحت کے لیے دیکھیے ۔ایضاً ص ۱۲۶۔۱۴۲۔

۳۹۔ایضاً ص۱۴۳۔

۴۰۔ایضاً ص۱۴۳۔۱۴۶

۴۱۔ایضاً ص۱۴۶

۴۲۔ایضاً ص۱۴۷

۴۳۔ایضاً وضاحت کے لیے دیکھیے۔ص۱۴۹۔۱۵۶۔

۴۴۔''حکمت قرآن'' کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔(ترجمہ از خالد مسعود) فاران فاؤنڈیشن لاہور، ص۱، ۴۱۱۔

۴۵۔حکمت قرآن۔امام حمید الدین فراہی (اردو ترجمہ) ص۱۴

۔ص ا۔۱۴۱

۴۷۔ابو داؤد بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت موجود ہے ۔

۴۸۔تدبر قرآن۔ص۱۶۴۔۱۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۹۔ایضاً ص ۱۶۵۔

۵۰۔ایضاً ص ۔۱۷۱۔۱۷۲

۵۱۔اس کے لیے لسان العرب دیکھیے۔

۵۲۔یہ مفہوم لسان العرب اور منجد دونوں میں موجود ہے۔

۵۳۔یہ مفہوم میں منجد میں موجود ہے۔

۵۴۔بحوالہ مبادی تدبر القرآن۔ص ۱۶۸

۵۵۔دیوان الحماسۃ (بحواشی محمد اعزاز علی) المکتبہ الرحیمیہ۔دیو بند یو پی ہند (بدون تاریخ) ص ۳۰۷

۵۶۔تدبر قرآن وضاحت کے لیے۔ص ۱۷۴۔۱۷۸

۵۷۔ایضاً ص ۱۷۹

۵۸۔بحوالہ مبادی تدبر القرآن۔ص ۱۲۲

۵۹۔تفسیر الکشاف بحوالہ مبادی تدبر القرآن ص ۱۲۲۔۱۲۳

۶۰۔تدبر قرآن ص ۱۸۱

۶۱۔ایضاً ص ۱۸۱

۶۲۔ایضاً ص ۱۸۲

۶۳۔ایضاً وضاحت کے لیے دیکھیے۔ص ۱۸۲۔۱۸۶

۶۴۔ایضاً ص ۱۸۷

۶۵۔ایضاً ص ۱۸۷۔۱۹۱

۶۶۔ایضاً وضاحت کے لیے دیکھیے۔ص ۱۹۶۔۲۱۰

۶۷۔قرآنی مقالات (ترتیب و پیشکش ادارہ علوم القرآن علی گڑھ) طبع اول ناشر ادارہ علوم القرآن علی گڑھ ۱۹۹۱ ص ۱۴۔

۶۸۔تدبر قرآن۔ص ۲۱۱

۶۹۔ الاتقان فی علوم القرآن۔سیوطی۔(ترجمہ از مولانا محمد حلیم انصاری) نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ

۷۰۔الاتقان فی علوم القرآن۔ (اردو ترجمہ) ۲/۵۶۵ کراچی (بدول تاریخ) ۲/۵۵۶۔۵۶۰

۷۱۔تدبر قرآن۔ص ۲۱۸

۷۲۔تفسیر رازی۔بحوالہ مبادی تدبر قرآن۔ص ۱۵۱

۷۳۔الاتقان۔(اردو ترجمہ) ۱/۷۶

۷۴۔الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (اردو) شاہ ولی اللہ (مترجم: مولوی رشید احمد صاحب انصاری مرحوم) فاروق پریس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہلی۔(بدول تاریخ)ص۵

۷۵۔تدبر قرآن۔ص۲۲۵

۷۶۔الفوز الکبیر فی اصول التفسیر(اردو)ص۵

۷۷۔تدبر قرآن،وضاحت کے لیے دیکھیے۔ص۲۳۲۔۲۳۳

۷۸۔ایضاً ص۱۰۶۔۱۱۹

۷۹۔ایضاً ص۸۶۔۹۶

۸۰۔قرآنی مقالات۔(نظم قرآن۔مولانا امین احسن اصلاحی)طبع اول ۱۹۹۱ص۔۱۶۔۲۲

۸۱۔رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن۔الامام عبدالحمید فراہی۔الطبقہ الثانیہ۔الدائرہ الحمیدیہ مدرسۃ الاصلاح۔ سرائے میر اعظم گڑھ(الہند)۱۹۹۱ص۷۔۱۳۹

۸۲۔مولانا اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن کے عنوان سے آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے یہ پاکستان میں انجمن خدام القرآن لاہور سے اور ہندوستان میں سے شائع ہوتی ہے۔

۸۳۔تفسیر نظام القرآن۔حمید الدین فراہی۔(ترجمہ از امین احسن اصلاحی)دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاحی سرائے میر اعظم گڑھ۔(۱۹۹۰ص۱)

۸۴۔تدبر قرآن وضاحت کے لیے دیکھیے۔ص۲۵۲۔۲۵۴

۸۵۔نظم قرآن ہی کے موضوع پر دیکھیے۔البرہان فی نظام القرآن۔محمد عنایت اللہ اسد سبحانی۔الطبقہ الاولیٰ۔دارالکتب پشاور پاکستان ۱۹۹۴ص۱۔۶۲۸

۸۶۔الاتقان۔(اردو)ص۳۲۵

۸۷۔''نظم الدرر فی تناسب الایات والسور''بائیس جلدوں پر مشتمل ہے۔جو حیدر آباد دکن ہند کے مطبع ''مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ'' سے شائع ہوئی ہے۔صاحب تفسیر امام بقاعی نے نظم قرآن کے متعلق مقدمہ میں فرمایا ہے۔

''الحمد للہ الذی انزل الکتاب متنا سباسورہ وآیانہ ومتنسابہا فواصلہ وغایاتہ''

۸۸۔علامہ سیوطی نے نظم قرآن پر جو کتاب تالیف کی ہے اس کا عنوان ''اسرار التفسرین'' ہے جس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ بھی سورتوں اور آیتوں کی باہمی مناسبتوں کی جامع ہے۔الاتقان(اردو)ص۳۲۵

۸۹۔اس کے لیے دیکھیے تصنیف،نظم قرآن،جو دائرۃ الحمیدیہ،مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ سے ۱۹۹۲ میں

۹۰۔نظم قرآن کے موضوع پر ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی کی کتاب ۱۹۹۸ میں شعبہ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ انڈیا سے شائع ہوئی ہے۔جس میں مہائمی کی نظریہ نظم قرآن سے بحث کی گئی ہے۔

۹۱۔بحوالہ مبادی تدبر قرآن۔ص۱۷۶

۹۲۔تدبر قرآن ص۔۲۵۶

☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com